آمد سحرے ندا ز میخانۂ ما

کاے رندِ خراباتیٔ دیوانۂ ما

برخیز کہ پُر کنیم پیمانہ مَے

زاں پیش کہ پُر کنند پیمانۂ ما

جامِ صہبائی

رُباعیات و قطعات کا مجموعہ

از

عبدالسمیع پال اثرؔ صہبائی بی۔اے (آنرز)

ایل ایل بی

دار التالیف، بیڈن روڈ، لاہور

طبعِ اوّل — تعداد ۱۰۰۰ — قیمت ۸/

مقبول عام پریس لاہور میں باہتمام منشی غلام احمد چھپیا

انتساب

مَیں اِس جام کو اپنے محسن رائے بہادر
دیوان بودھراج ساہنی بی۔اے، ایل ایل بی
(کینٹب) بی۔سی۔ایل بیرسٹرایٹ لا، ایڈیشنل جج
ہائی کورٹ جموّں و کشمیر کے نامِ نامی پر
نوش کرتا ہوں۔ ع

زاں پیش کہ پُرکنند پیمانۂ ما!

نیاز آگیں
اثرؔ صہبائی

نغمۂ عقیدت بحضورِ حضرت عمر خیامؒ نیشاپوری

اے نکتہ شناس و نکتہ آرا
اے روحِ سخنوری سراپا

اے نغمہ زنِ ربابِ مستی
اے کاشفِ رازہائے ہستی!

نغمے ہیں ترے فضا میں رقصاں
ہے بربطِ کائنات لرزاں

تو شاعرِ بزمِ آسماں ہے
اسرارِ ازل کا رازداں ہے

وارفتہ و میگسار شاعر!
تقدیر کے رازدار شاعر!

اک ہوش ہے تیری مستیوں میں
اک راز ہے مے پرستیوں میں

کوثر سے بھی پاکباز مستی
تسنیم سے بے نیاز مستی

اے خسروِ کشورِ معانی!
اے مطربِ سازِ جاودانی!

ہوتا ہے اب ایک اجنبی سا
دربار میں تیرے نغمہ پیرا

ہے چھیڑ رہا ربابِ الفت
ہر نغمہ ہے نغمۂ عقیدت

مقبول یہ سوز و ساز ہو جائے!
صہبائیؔ بھی سرفراز ہو جائے

سراپا نیاز
صہبائیؔ

سرِ راہے

"جامِ صہبائی" کے محاسن و معائب کے متعلق میرا کچھ بھی کہنا غیر مناسب ہے۔ اربابِ ذوق اس کی اہمیت کا خود ہی اندازہ فرما سکتے ہیں۔ میں ان چند سطور میں ان اصحاب کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں، جن کے الطافِ بے پایاں اور ترغیبِ پیہم سے رباعیات و قطعات کا یہ مجموعہ معرضِ ظہور میں آیا۔

سب سے اوّل میں اپنے برادرِ محترم حضرت "امین حزیں" کے عواطف کا ممنون ہوں، کہ اُن کی پیہم تعلیم کی بدولت مجھ میں بلند نظری اور عالی حوصلگی کے جذبات نے نشو و نما پائی۔ اِسی سلسلے میں علّامہ اقبال مدظلہ کی تمام تصنیفات بالخصوص مثنوی "اسرارِ خودی" اور "پیامِ مشرق" کے اثرات کا معترف ہوں۔ علّامۂ موصوف سے میرے دل میں عہدِ طفولیت ہی سے نہایت گہری عقیدت ہے۔ حضرت عمر خیامؒ کا ذکر تحصیلِ حاصل ہے۔ کیونکہ "جامِ صہبائی" میں آپ کا رنگ اِس قدر نمایاں ہے، کہ محتاجِ اظہار نہیں۔ یہ ہیں وہ چند حضرات جن کو میں اپنا معنوی مربّی تصوّر کرتا ہوں

اِس کے بعد مجھے علّامہ کیفی دہلوی کا شکریہ ادا کرنا ہے، کہ ان کی مشفقانہ مساعی سے زبان کی خامیاں کم ہو گئیں، اور خیالات زیادہ شستہ ہو گئے۔ میں علّامۂ موصوف کے ان احسانات کے اظہار سے قاصر ہوں، جن کے زیرِ بار میری

ادبی زندگی ہے۔

اپنے احباب جناب جلال الدین اکبر بی اے (آنرز) صاحب "نقشِ ارژنگ" اور جناب سیّد عابد علی عابد بی اے۔ ایل ایل۔ بی مصنّفِ "حجابِ زندگی" کا بھی سپاس گزار ہوں، کہ ان کے گرانقدر مشوروں سے مستفید ہُوا۔

آخر میں جناب دیوان بودھراج صاحب بالقابہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں، جن کی زندگی کا مطالعہ میرے لئے وجدان و سرور کا مخزن ہے۔ عمر خیامؒ کی رباعیات کو مَیں ان کی زندگی میں متشکل دیکھتا ہوں، اور مجھے اس امر کا اعتراف ہے کہ اکثر شگفتہ خیالات کا محرک ان کی زندگی کا مطالعہ ہے۔ اسی ربطِ معنوی کے لحاظ سے مَیں نے ان چند اوراق کو انہیں کی کیف انگیز شخصیت سے منسوب کیا ہے۔

"صہبائی"

نقلِ گرامی نامہ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ العالی

(شبلی اکاڈمی)

دار المصنفین اعظم گڈھ (یوپی)

مخدوم و مکرم، دام کرمہ،

السلام علیکم و رحمۃ اللہ - والانامہ نے مفتخر کیا - آپ کی رباعیات پہلے بھی موصول ہوئی تھیں، اور اب پھر پہنچیں - پہلی تو شائع ہو چکی ہیں، اور اب دوسری بھی فروری کے معارف میں لکھی جا رہی ہیں - آپ کا اصرار ہے کہ آپ کے کلام کی نسبت کچھ رائے ظاہر کروں۔ میں خود بھی کبھی شاعر تھا مگر اب مدت سے ایک مصرع کی توفیق بھی نہیں ملی ہے، بلکہ قدرتِ شعرگوئی سے بھی محروم ہو گیا ہوں۔ موجودہ شعرائے اردو سے اور خصوصاً نوجوان شعرا سے سخت بدگمان ہو گیا ہوں، کہ اوّل تو تمام اصنافِ سخن میں ان کے ہاں صرف غزل رہ گئی ہے، اور وہ بھی بدءِ شباب کے اُبلتے ہوئے جذبات کے اظہار کے لئے - پھر کلام اتنا سست اور فن سے اتنی ناواقفیت کہ شرم آتی ہے - مگر وہاں ابھی جاہلانہ معرفت اور ہمہ دانی کا دعوے - دو چار صاحبوں کو ٹوکا . تو وہ بے طرح اُلجھ پڑے - شعرا کا شمار نہیں - " ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی " ابھی عمر کی پہلی ہی دوسری غزل مرتب ہوئی کہ چھپنے کی آرزو اور شہرت کی جستجو پیدا ہو گئی -

آپ کو میں سب سے پہلے اس کی داد دیتا ہوں کہ آپ نے

غزل کے کوچے سے باہر قدم رکھا۔ پھر خیالات بھی بلند و پاکیزہ ہیں۔ رباعی کے لحاظ سے زبان بھی اچھی اور طرزِ ادا بھی پسندیدہ۔ ایک آدھ رباعی میں اگر خامی رہ جائے، تو وہ معافی کے قابل ہے۔ امید ہے کہ آپ اسی صنف کو اپنا خاص کام بنائیں گے اور اس کو اُردو میں ترقی دینگے۔ اور وُہ زمانہ آئیگا کہ آپ اُردو کے خیام اور سحابی ثابت ہونگے۔ مشق، ترقی اور صفائی کی کوشش شرط ہے۔ اور ہر قسم کے رسالوں میں اپنے کلام کے چھپوانے سے پرہیز کیجئے۔ کمال گو دیر سے پیدا ہو، مگر پائدار ہو۔

والسلام سیّد سلیمان ۴ر فروری ۱۹۲۷ء

(نقلِ گرامی نامہ مولانا نیاز فتح پوری مدظلہ العالی)

دفتر رسالہ نگار

نظیر آباد لکھنؤ

مکرمی۔ تسلیم۔ عنایت نامے سے مسرور کیا۔ رباعیاں خوب ہیں۔ لیکن کہیں کہیں نظرِ ثانی کی ضرورت ہے۔ آپ کے ذوقِ شعری کا میں معترف ہوں، اور آپ کا مجموعۂ رباعیات یقیناً اور صحیح معنوں میں خمستان ثابت ہوگا۔

خاکسار نیاز فتحپوری

مقدمہ

(از پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی)

خواجہ عبدالسمیع پال، بی اے، ایل ایل۔ بی متخلص اثر صہبائی اُن زندہ دلانِ پنجاب میں ہیں، جنھوں نے اُردو کی زندگی اور حسن و شباب قائم رکھنے کا بیڑا اُٹھا رکھا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اس وقت اُردو عموماً اور اُردو شاعری خصوصاً ارتقا کے اُس دور میں ہے، جسے عام طور پر انقلاب کہا جاتا ہے۔ ایسی تدریجی حالت میں یہ ہُوا کرتا ہے کہ بعض پُرانے قاعدے ترمیم ہوتے ہیں، اور بعض نئے قاعدے رواج پاتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں، جو کسی پُرانی بات میں تبدیلی کی گنجایش کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ انھیں قدامت پرست کہئے۔ بعض ایسے ہوتے ہیں، جن کو ہر پُرانی بات میں نقص نظر آتا ہے۔ انھیں جدّت پسند کہئے۔ یہ کیفیت آج کل ہندوستان کی تمام معاشری اور سیاسی زندگی میں پائی جاتی ہے۔ ہماری ادبی زندگی اور ذہنی ماحول کیونکر اس سے متاثر نہ ہوتے۔ اِس کا ثبوت تازہ تصنیفات اور تالیفات ہیں۔ لیکن اس معرضِ عزل و نصب میں ایسی اعتدال پسند طبیعتیں بھی دیکھنے میں آتی ہیں، جنھوں نے

خذ ما صفا و دع ما کدر، اپنا اصول قرار دیا ہے۔ اثر صہبائی سلمہٗ انہیں میں سے ہیں۔
انگریزی ادب اور فلسفے میں غیر معمولی شغف رکھتے ہوئے اُردو کو نظر انداز نہ کرنا بلکہ ہمیشہ اپنے مستحسن عمل سے اس کی ترقی میں کوشش کرتے رہنا اُن کی زندگی کے لائحۂ عمل کی ذیل میں ہے۔ اُردو کی یہ بڑی خوش نصیبی ہے کہ اُس کی ترقی میں وہ برادرانِ وطن جن کا ذہن مغربی علم و ادب کی دولت سے مالا مال ہے بہ تہ دل سے کوشاں ہے۔
اثر صہبائی نئے طرز کی شاعری کے سربرآوردہ علمبرداروں میں سے ہیں۔ اُن کا طرزِ سخن عمیق نظری، اعلےٰ تخیّل، نفیس مضمون آفرینی اور فصاحت کے اعتبار سے خاص امتیاز رکھتا ہے۔ اُن کے کلام میں تازگی اور جدّت، مضامین کی نو آئینی، اسلوب کی چستی، احساسات کی نفاست اور جذبات کی پاکیزگی اور لطافت کی بہتات ہے۔ شعارِ زندگی کی طرح اُن کا ادبی مذاق بھی سلیم اور صالح ہے۔ تصنّع اور تکلف کی بلند آہنگی نہ اُن کے چلن میں ہے نہ کلام میں صحیح مذاقِ سخن اور لطافت پسندی اپنے آپ کلام میں وہ جمالیاتی دلآویزی اور تاثّر پیدا کر دیتی ہے کہ سامع اور قاری خراجِ تحسین پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ شگفتگی اور تازگی کے باوجود درد بھی اُن کے کلام سے بیگانہ نہیں۔ انہیں پُرانے الفاظ اور تلازموں میں ایسی پیاری باتیں کر جاتے ہیں جو دُور کی خبر لاتی ہیں، اور مستحسن اختراع اور جدّت آفرینی کی روح رواں ہیں۔ اِس سے زیادہ میری زبان سے

چھپتا نہیں، اگرچہ یہیں ختم ہو جانے سے تبصرہ تشنہ رہتا ہے۔

رباعیاں دو چار کہیں تو ہر شاعر نے، لیکن اس کی طرف خصوصی توجہ شعرا نے بہت کم کی۔ فارسی میں عمر خیّام اور سرمد کی رباعیات کے علاوہ اور مجموعے ہیں۔ مگر انھوں نے کم رواج پایا۔ اُردو میں اب تک رباعیات کا کوئی ایسا مجموعہ دیکھنے میں نہیں آیا جو اس صنف کا مستقل حیثیت سے قائم مقام ہو سکے۔ حالی مرحوم کی رباعیاں اب علیحدہ چھپی ہیں، لیکن اُن کے موضوع متنازعہ فیہ ہونے کی وجہ سے ادب لطیف میں داخل نہیں ہو سکتیں۔ تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ شاہ حاتم کے ایک معاصر تھے میر سید علی غمگین دہلوی۔ شاید حضرت بیخود دہلوی سلمہ ان کی اولاد میں سے ہیں۔ غمگین مرحوم کی رباعیوں کا ایک قلمی مجموعہ لالہ سری رام صاحب دہلوی مؤلف تذکرۂ خمخانۂ جاوید کے کتبخانہ میں دیکھا گیا۔ لیکن وہ نہ کبھی طبع ہوا، نہ اُس کا حال لوگوں کو معلوم ہے۔ اور پھر شاہ حاتم کے عہد کی شاعری سے غمگین کی رباعیوں کی استعداد کا اندازہ ہو سکتا ہے مطالعہ سے بھی اُن کا مطمح نظر وہیں تک محدود ہے، جو اُس زمانہ میں عام شاعری کا تھا۔ اُردو میں میر انیس اور پھر مرزا دبیر کی بعض رباعیاں ضرور شہرت رکھتی ہیں۔ لیکن وہ اُس نظریہ کے ماتحت نہیں کہی گئیں، جس کا التزام خیام اور سرمد کے ہاں پایا جاتا ہے۔ یہ دونوں بزرگ ہر مرثیہ کے

شروع میں چند رباعیاں فرمایا کرتے تھے۔ جن کا مجموعہ یہ رُباعیاں ہیں، جو ہم دیکھتے ہیں[1]۔

جامِ صہبائی کی رباعیاں نظموں یا غزلوں کی پیش خوانی کے طور پر نہیں کہی گئیں، بلکہ مستقل بالذات تصنیف ہیں۔ اُن کے موضوع زیادہ تر داخلی نوعیت رکھتے ہیں، اور جہاں خارجی مضامین ہیں، محاسنِ فطرت کے آئینہ بردار ہیں۔ "جامِ صہبائی" حقیقت میں مناظرِ فطرت کی رنگ ریزیوں، حسن و عشق کی نغمہ سرائیوں، بادۂ عرفاں کی سرمستیوں اور فلسفہ و حکمت کی حقائق آرائیوں کا رُوح افروز مجموعہ ہے۔ چند رباعیاں موضوع کی قید کے ساتھ ذیل میں نقل کی جاتی ہیں:۔

اہم مطالب کے متعلق اثرِ صہبائی بلند آہنگ دعویٰ کبھی نہیں کرتے۔ چنانچہ کہتے ہیں:۔

تیری ہستی کا کچھ یقیں بھی نہیں
میرے لب پر مگر نہیں، بھی نہیں
دیکھتا ہوں، تو ہر جگہ موجود
سوچتا ہوں، تو پھر کہیں بھی نہیں

شاعر کی غیور مزاجی ملاحظہ ہو:۔

---

[1] سُنا جاتا ہے کہ بابو جگت موہن لال صاحب رواں ایم۔ اے ایل۔ ایل۔ بی نے اپنی رباعیوں کا ایک مجموعہ ترتیب دیا ہے لیکن ابھی تک دیکھنے میں نہیں آیا۔

میخانۂ حسن، چرخِ مینا میرا
پیمانۂ ماہ، آبگینا میرا
صہبائے بے نیازِ ساقی ہوں میں
دُنیا سے بہت الگ ہے پینا میرا

مناظرِ فطرت کی دلفریبی کا رنگ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے:-

گلزار کا پھول پھول پیمانۂ حُسن
اشجار کی شاخ شاخ مستانۂ حُسن
دوشیزۂ صبح ہو صبوحی بر دوش
ہنگامِ سحر چمن ہے میخانۂ حُسن

اِس رباعی میں حسنِ فطرت کا کیسا دِلربا جلوہ آسمایا ہے:-

پھولوں کے تبسمات کا حُسن
تاروں کی تجلّیات کا حُسن
پیغامِ سرورِ جاوداں ہے
میخانۂ کائنات کا حسن

ایک اور رباعی ہے:-

چھایا ہُوا حسن سُو بہ سُو ہے
ہر پھول میں تیرا رنگ و بو ہے
ہر نقش نگاہِ آشنا میں
تیری تصویر ہو بہو ہے

کہا جاتا ہے۔ کہ حضرت ریاضؔ گورکھپوری کے کلام سے "خمریات" کو خصوصیت ہے۔ لیکن حال کی انتقادی تصانیف میں جناب موصوف کے کلام پر کئی جگہ اُنگلی رکھی گئی ہے۔ اور اُن کے خمریات کے رنگ کو اکثر ابتذال اور سخافت سے آلودہ بتایا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ اثرؔ صہبائی کے ہاں یہ شان ہے:

ہر لمحہ رہینِ مے پرستی ہوں میں
جس کا نہ خمار ہو وُہ مستی ہوں میں
مینوشِ جمالِ جاوداں ہوں، یعنی
صہبائیٔ خمخانۂ ہستی ہوں میں

اثرؔ صہبائی کی رندی و مستی کی ایک انوکھی ترنگ ملاحظہ ہو:۔

تاریک ہیں زندگی کی راہیں ساقی
ظلمات فزا ہیں میری آہیں ساقی
ہو جلوۂ آفتاب پیمانۂ مے
ہوں نور سے لبریز نگاہیں ساقی

بہار کی عالمگیری قابلِ دید ہے:۔

فردوسِ نظر فروز سامانِ بہار
اِک پیکرِ رنگ و بو ہے دامانِ بہار
سرشارِ جمال ہے جہاں کی ہر شے
یعنی ہے قدح نوشِ خمستانِ بہار

جذباتِ عالیہ کا منظر سمندر کا تموّج ہے۔ جو انواع و اقسام کے مناظر پیش کرتا ہے۔ کیا خوب کہا ہے:-

گو بحرِ حوادث کا تلاطم نہ گیا
بربط سے مرے لطفِ ترنم نہ گیا
وہ زندہ دِل دہر ہوں اے صہبائیؔ
مرکر بھی مرے لب سے تبسّم نہ گیا

اس زبدۂ سعید کو جتنا سراہیے بجا ہے۔ اللہ اللہ کیا شانِ بندگی ہے:-

ممتاز ہے شانِ ارجمندی میری
ہے رو کشِ عرش سربلندی میری
سجدہ بھی کیا تو تیرے در پر یا رب!
نازاں ہے بہت نیازمندی میری

چار مصرعوں میں حوادثِ حیات کے فلسفے کو کس خوبی سے مدوّن کیا ہے۔

آغاز نشاط کا پریشانی ہے
انجام نشاط کا پشیمانی ہے
جب شادی و غم ہی سے ہے تعمیرِ حیات
پھر غم سے ہراس کیا ہی نادانی ہے

ایک اگلی رباعی گویا اس کی تشریح ہے۔ وھو ہٰذا

صہبائے نشاط کا بھی پینا ہو گا
زہرِ غمِ زندگی بھی پینا ہو گا
غم سے بھی نشاطِ رُوح حاصل ہو جسے
جینا تو اثر اُسی کا جینا ہو گا

حقائق و معارف کا میدان اس قدر وسیع ہے، کہ اس میں داخل ہو کر دیدۂ بینا کو اپنی کوتاہ نظری کا احساس ہوتا ہے۔ کہتے ہیں:-

شیرازۂ ہستی کو بکھرنا ہو گا
ظاہر ہے کہ ایک روز مرنا ہو گا
لیکن یہ سوال ہے ابھی لاینحل
کیا ڈوب کے مجھ کو پھر اُبھرنا ہو گا

کیا خدا لگتی بات کہی ہے۔ یہ اقبال ایک فلسفی کی زبان سے ہی ہو سکتا ہے۔ کہتے ہیں:-

گو سلسلۂ دیر و حرم کو چھوڑا
واعظ کو، برہمن کو، صنم کو چھوڑا
افکار کی قید سے نہ آزاد ہوئے
زنجیرِ خیال نے نہ ہم کو چھوڑا

جبر و قدر کا مسئلہ اکثر دماغوں کو پریشان رکھتا ہے یہ رُباعی کس معنی آفرینی سے اِس پر روشنی ڈالتی ہے:-

غرقابِ سکوت ہوں کہ تقریر کروں
ممکن نہیں سرتابیٔ تقدیر کروں
تدبیر بھی کرنے پہ ہوں مجبور اثر
تقدیر میں لکھا ہے کہ تدبیر کروں

حقائق و معارف کا یہ راز بھی غور طلب ہے۔ کہتے ہیں :-

اِک نقطۂ موہوم ہے ہستی میری
لیکن ہے عجیب چیز مستی میری
چھوڑا جو خدا تو خود پرستی سے اثر
جاتی ہے کہیں یہ بُت پرستی میری؟

حسن فطرت کا جوہر ہے۔ اب تک شعرا کا مطمحِ نظر اس بارے میں اِنسانی اندام تک محدود ہے۔ لیکن اب دامانِ نظر میں وہ تنگی نہیں پائی جاتی۔ اثرِ صہبائیؔ اُن شاعروں میں ہیں، جنہیں ذرّے ذرّے اور قطرے قطرے میں حسن کی جلوہ آرائی نظر آتی ہے۔ جس کے ثبوت میں اکثر رباعیاں پیش کیجا سکتی ہیں۔ یہ رُباعی فلسفۂ عمل کا نچوڑ ہے :-

زندہ تو بہت ہیں سوزِ ہستی ہی نہیں
میکش تو بہت ہیں جوشِ مستی ہی نہیں
ہے دامِ خرد بہت ہی رنگیں، لیکن
حق بیں تو بہت ہیں حق پرستی ہی نہیں

قواعدِ عروض کے تقیّد کے ساتھ رباعی کہنا تمام اصنافِ شعر سے زیادہ مشکل ہے کیونکہ اس کے اوزان اور نیز ارکانِ تقطیع دونوں میں عروضی مختلف الرائے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہو کہ رُباعی کی طرف شعرا کی توجہ کم رہی ہے۔ لیکن سیّد انشا کی اختراعی طبّاعی سے قطعِ نظر بعض ادیب اب اس طرف متوجہ ہیں کہ اُردو نظم سے عروض و بحورِ عربیہ کی پابندی ہٹا دی جائے۔ ارکانِ تقطیع بھی نئے نئے تجویز کئے جاتے ہیں۔ ان عوارض میں یہ امید رکھنا، کہ کسی شاعر کی کوئی رباعی قدیم اور مقررہ چوبیس اوزان سے باہر نہ جائے، بے سود اور دُور از کار ہے۔ اِس لئے ان رباعیوں کے دیکھنے میں اس امر کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔

مجھے قوی امید ہے۔ کہ یہ مجموعہ جو مصنّف کا اوّلین منشور ہے، ہمدردی اور اعتراف کی نظر سے دیکھا جائیگا۔ اور اسے قبولیتِ عام نصیب ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جامِ صہبائی

(۱)

ظاہر کی نظر نے تجھے پنہاں پایا
باطن کی نظر نے تجھے عریاں پایا
تھی عقل بھی جویا ترے جلوے کی مگر
کمبخت کو سرگشتہ و حیراں پایا

(۲)

موسم میں بہار کے گلستاں دیکھا
ہنگامِ جنوں ہم نے بیاباں دیکھا
کس حُسن کے جلوے کے ہیں جویا یا رب!
ہر ذرّے کو اک دیدۂ حیراں دیکھا

(۳)

شان میں عرش کا مکیں ہے تُو
خُلق میں بُوئے یاسمیں ہے تُو
کیا لکھوں نعت مختصر یہ ہے
خاتمِ دہر کا نگیں ہے تُو

(۴)

کیا گلشنِ عالم میں صبا ہو جاؤں!
یا تہ میں سمندر کی فنا ہو جاؤں!
ہستی سے بھی وحشت ہے عدم سے بھی گریز!
حیران ہوں یارب کہ مَیں کیا ہو جاؤں!

---

(۵)

سمجھا ہے کوئی مجھ کو کہ فرزانہ ہوں
کہتا ہے کوئی میکش و مستانہ ہوں
معلوم نہیں کیا ہوں! مگر یہ ہے ضرور
آزاد ہوں، بے باک ہوں، دیوانہ ہوں

(۶)

تیری ہستی کا کچھ یقیں بھی نہیں
میرے لب پر مگر نہیں بھی نہیں
دیکھتا ہوں، تو ہر جگہ موجود
سوچتا ہوں، تو پھر کہیں بھی نہیں

(۷)

ہو جس میں مزا وہ بے قراری اچھی
ہو جس سے سکوں وہ اشکباری اچھی
انجام فنا ہو جس کا لیکن اے دل!
کب ہوتی ہے ایسی آہ و زاری اچھی

(۸)

گھیرے ہوئے ہے شب کی سیاہی مجھ کو
رہ رہ کے ڈراتی ہے تباہی مجھ کو
تابانیٔ آفتابِ اُمّید مگر
دیتی ہے پیامِ صبحگاہی مجھ کو

(۹)

ہر لمحہ رہینِ مے پرستی ہوں مَیں
جس کا نہ خمار ہو وُہ مستی ہوں مَیں
مینوشِ جمالِ جاوداں ہوں یعنی
صہبائے خمخانۂ ہستی ہوں مَیں

(۱۰)

میخانۂ حسن، چرخِ مینا میرا
پیمانۂ ماہ، آبگینا میرا
صہبائیٔ بے نیازِ ساقی ہوں میں
دُنیا سے بہت الگ ہے پینا میرا

(۱۱)

گلزار کا پھول پیمانۂ حُسن
اشجار کی شاخ شاخ مستانۂ حُسن
دوشیزۂ صبح ہے صبوحی بر دوش
ہنگامِ سحر چمن ہے میخانۂ حُسن

(۱۲)

مے حُسن کی پیتا ہُوں خمخانۂ ہستی سے
سب مجھ کو سمجھتے ہیں میکش مری مستی سے
اُس مست کو صہبائی ہم مست سمجھتے ہیں
حاصل نہ کرے مستی جو بادہ پرستی سے

(۱۳)

پہنائے جہاں میں خوب کی ہے تگ و تاز
دیکھے ہیں ہزار ہا نشیب اور فراز
تقلید کے دام میں تھا ہر ایک اسیر
پائی نہ کسی دِل میں ہوائے پرواز

(۱۴)

گو بحرِ حوادث کا تلاطم نہ گیا
بربط سے مرے لطفِ ترنّم نہ گیا
وہ زندہ دلِ دہر ہوں اے صہبائیؔ
مر کر بھی مرے لب سے تبسّم نہ گیا

(۱۵)

گو ماتم و عیش ہیں جہاں میں توام
نکتہ یہ عجیب ہے مگر اے ہمدم!
روتا ہے، تو رو رہا ہے تو ہی تنہا
ہنستا ہے تو ہنس رہا ہے سارا عالم

(۱۶)

دُنیا کی نظر میں کیوں معمّا ہوں مَیں
کیوں دہر کی محفلوں میں تنہا ہوں مَیں
کیوں اہلِ فلک سے ہے محبت مجھ کو
کِس عرش کا ٹوٹا ہُوا تارا ہوں میں!

(۱۷)

ہنگامِ شباب غرقِ عصیاں ہوں مَیں
پیری میں رہینِ ذکرِ یزداں ہوں مَیں
ہیں سلسلۂ زیست کی بھی دو کڑیاں
سرکش ہوں کبھی، کبھی پشیماں ہوں مَیں

(۱۸)

ہے گہر آباد آغوشِ صدف
دامنِ گل میں ہے شبنم اشکبار
ہیں ہوس کارانِ دُنیا شاد کام
چشمِ شاعر میں ہے اشکِ بےقرار

(۱۹)

فردوسِ خیال کا گُلِ تر ہوں مَیں
صہبائے سخن کا ایک ساغر ہوں مَیں
اِک گوہرِ بے بہا ہے ہر شعر مرا
وُہ بحرِ معانی کا شناور ہوں مَیں

(۲۰)

ہے رفعتِ عرش جب ہمارا مقصود
کیونکر نہ رہیں مائلِ پرواز صعود
تو حسن میں لاجواب میں عشق میں فرد
تو میرا ہے اور میں ہوں تیرا معبود

(۲۱)

ہر لطف کے پردے میں ستم پایا ہے
ہر سازِ طرب میں سوزِ غم پایا ہے
میخانۂ دہر میں مئے ناب کہاں!
ہر جام کو آلودۂ سم پایا ہے

(۲۲)

گلزار کا رنگ ہے جوانی میری
اِک نغمۂ چنگ ہے جوانی میری
صہبائے مسرت و بلانوش ہوں مَیں
نشّے کی ترنگ ہے جوانی میری

(۲۳)

شیرازۂ ہستی کو بکھرنا ہوگا
ظاہر ہے کہ ایک روز مرنا ہوگا
لیکن یہ سوال ہے ابھی لاینحل
کیا ڈوب کے مجھ کو پھر ابھرنا ہوگا؟

(۲۴)

اخلاقِ جمیل کا ہے پیکر کیفیؔ
اِک جوہرِ فرد ہے سخنور کیفیؔ
صہبائے سرمست صفت کیا لکھئے!
ہے علم و عمل کا اِک سمندر کیفیؔ

(۲۵)

گو سلسلۂ دیر و حرم کو چھوڑا
واعظ کو، برہمن کو، صنم کو چھوڑا
افکار کی قید سے نہ آزاد ہوئے
زنجیرِ خیال نے نہ ہم کو چھوڑا

(۲۶)

ہنگامِ سحر کنارِ جُو ہو
بربط ہو، سبو ہو، مَیں ہوں، تُو ہو
ہو جائیں تمام کلفتیں دُور
دُنیا بھی طلسمِ رنگ و بُو ہو

(۲۷)

کیا رُوح فروز ہے ضیا بارئ حُسن!
طاری ہے مرے دِل پہ فسوں کارئ حسن
ہے بارگہِ حُسن اگر سجدہ طلب
ہے مقصدِ زیست بھی پرستارئ حُسن

(۲۸)

مَیں کعبہ نشیں نہیں ہوں مستانہ ہوں
پابندِ خرد نہیں ہوں، دیوانہ ہوں
ہو جاؤں گا تیری شمعِ اُلفت پہ نثار
مَیں کوئی مگس نہیں ہوں پروانہ ہوں

(۲۹)

مسرور طیور، پھُول مدہوش
شاداب نگاہ بہرہ ور گوش
چھائی ہُوئی مستیاں ہیں ہر سو
ہر چیز بہار ہیں ہے مینوش

(۳۰)

ہے زیرِ نقاب شادمانی آئی
کس رنگ میں مرگِ ناگہانی آئی
تاریکی و نور میں نہ کچھ فرق رہا
آندھی کی طرح آثر جوانی آئی

(۳۱)

یا سوئے فلک جرأتِ پرواز نہ کر
یا شکوۂ جورِ چرخِ کجباز نہ کر
یا دعوئ عاشقی کو باطل ٹھہرا
یا بارشِ سنگ پر بھی آواز نہ کر

(۳۲)

بے شاہد و چنگ شغلِ مینا
انگاروں سے پھونکتا ہے سینا
اِک زہر ہے ورنہ بادۂ ناب
پینا تو کسی کے ساتھ پینا

---

(۳۳)

ہائے کیا شے ہے بادۂ گلریز!
رُوح سرمست، چشمِ بینا تیز
مے ہر اِک درد کی دوا ہے اثر
غم رُبا، جانفزا، نشاط انگیز

(۳۴)

تاریک ہیں زندگی کی راہیں ساقی!
ظلمات فزا ہیں میری آہیں ساقی!
ہو جلوۂ آفتابِ پیمانۂ مے
ہوں نور سے لبریز نگاہیں ساقی!

---

(۳۵)

یا غرقِ شرابِ شادمانی ہوں مَیں
یا وقفِ بلائے ناگہانی ہوں مَیں
سرشارِ طرب ہوں یا رہینِ غمِ دہر
انجام مرا فنا ہے، فانی ہوں مَیں

(۳۶)

بیہوشِ خمستانِ جوانی ہوں میں
سرمستِ سرورِ جاودانی ہوں میں
اوروں کیلئے تو شادمانی ہے شباب
واللہ! شبابِ شادمانی ہوں میں

---

(۳۷)

افسانۂ درد ہے کہانی میری
عنوان ہے خونابہ فشانی میری
ہوں تیشہ بکف مثالِ فرہادِ اثرؔ
اک کوہِ گراں ہے زندگانی میری

(۳۸)

دشوار تریں ہے سب سے مشکل میری
مشکل سے مراد ہوگی حاصل میری
دشواریٔ رہ بقدرِ ہمت ہے اثر
خوش ہوں کہ بہت کٹھن ہے منزل میری

(۳۹)

فریاد نما ہوا تکلم میرا
لبریزِ فغاں ہوا ترنم میرا
اک گورِ غریباں مرے لبہائے خموش
اک غنچۂ پژمردہ تبسم میرا

(۴۰)

یا حسنِ طرب زا کا تماشا نہ کروں!
یا قلبِ پریشاں کو شکیبا نہ کروں
ہوں وقفِ طلسمِ درد و لذّت شب و روز
حیراں ہوں اثرؔ کہ کیا کروں! کیا نہ کروں

(۴۱)

بیکار یہ اندیشۂ فردا ہو گا
خود سامنے آ جائے گا جیسا ہو گا
فرصت ہے اگر آج لنڈھا جام پہ جام
ہونا ہے جو کل اثرؔ وہ ہو گا ہو گا

(۴۲)

ہنگامہ بدوش ہیں ادا ہائے بہار
خمخانۂ حسن روئے زیبائے بہار
اِس جانِ بہار کی ہے آنکھوں کو تلاش
اے وائے قرار و صبر! اے وائے بہار

(۴۳)

تاریکی اندوہ ہے باقی ساقی!
ہاں! بادۂ دلگداز ساقی! ساقی!!
یہ رنگ یہ محفلیں۔ ہیں یا نہ رہیں
ہے عہدِ شباب اتفاقی ساقی!

(۴۴)

گو حسن ہیں ہیں نقوشِ مانی ساقی!
ہیں بزمِ جہاں کے رنگ فانی ساقی!
ہنگامِ بہار ہو کہ تاراجِ خزاں
خوش باش کہ ہے دورِ جوانی ساقی!

---

(۴۵)

بیٹھا ہوں دِل ہیں ساغر و مینا لئے ہوئے
یعنی تصوّرِ رُخِ زیبا کئے ہُوئے
آنکھوں میں مستیاں ہیں لبوں پر سرودِ شوق
جس طرح میکدے میں ہو کوئی پیے ہُوئے

(۴۶)

حسنِ مطرب ہے اور نغمۂ چنگ
نکہتِ گل ہے اور مئے گلرنگ
الفراق! اے خیالِ جلوۂ حور!
والسّلام! اے ہوائے عزّت و ننگ

---

(۴۷)

عقل حیرانیٔ نگاہ سے تنگ
عشق آماجگاہِ بارشِ سنگ
رُوح فرسا ہے عقل و عشق کی جنگ
ساقیا! ساغرِ مئے گلرنگ!!

(۴۸)

دلِ عالم میں ہے خوشی کی ترنگ
ساقیٔ خوبرو و خوش آہنگ
دورِ ساغر ہو اور نغمۂ چنگ
ہیں فریبِ نظر بہار کے رنگ

(۴۹)

دامانِ سحر کی گلفشانی فانی!
شبہائے بلائے آسمانی فانی!
یہ لمحۂ عشرت ہے غنیمت ساقی!
بھر جام کہ زندگی ہے فانی فانی!

(۵۰)

گردش میں ہو جامِ تابناک اے ساقی!
دامانِ خرد ہے چاک چاک اے ساقی!
سربستہ اسی طرح ہیں اسرارِ جہاں
بُو نصرِ وعلی ہیں مشتِ خاک اے ساقی!

---

(۵۱)

ہے تاک میں مرگِ ناگہانی ساقی!
گردش میں ہو جامِ ارغوانی ساقی!
جھونکے کی طرح سن سے گزر جاؤنگا
مانندِ صبا ہے زندگانی ساقی!

لے ابونصر فارابی، ٹے بوعلی سینا

(۵۲)

کہتے ہیں کہ ہے دامنِ گلشن ہستی
گلہائے بہار کا ہے خرمن ہستی
آتش کو سمجھ رہے ہیں ہم رنگِ بہار
یعنی ہے خسِ شعلہ بدامن ہستی

(۵۳)

گو ہستیٔ آتشیں ہے فانی میری
ہے بزمِ جہاں میں ضوفشانی میری
خود جلنا مگر جہاں کو روشن کرنا
مانندِ شرر ہے زندگانی میری

(۵۴)

ہنگامِ نسیمِ سحر رقصاں رقصاں
کہسار و چمن کے پھول خنداں خنداں
ہو شغلِ مے و چنگ خدارا مطرب!
دِل رات کی یاد سے ہے لرزاں لرزاں

(۵۵)

ہے جلوۂ ماہتاب ساقی! ساقی!!
کر جام کو آفتاب ساقی! ساقی!!
سیلابِ فنا ہے اور ہستی اپنی
ہے صورتِ نقشِ آب ساقی! ساقی!!

(۵۶)

فردوسِ نظر فروز سامانِ بہار
اک پیکرِ رنگ و بو ہے دامانِ بہار
سرشارِ جمال ہے جہاں کی ہر شے
یعنی ہے قدح نوشِ خمستانِ بہار

---

(۵۷)

حورانِ بہشت کی تمنّا بے سود
ہنگامِ شباب زہد و تقویٰ بے سود
لبریزِ نشاط ہے خمستانِ بہار
یادِ غمِ دوش، فکرِ فردا بے سود

(۵۸)

ہیں میرے تبسّم سے ضیا ہائے بہار
ہیں میرے ترنّم سے نوا ہائے ہزار
ہے میری ہی ذات سے وجودِ ہستی
ہے میرے ہی دم سے گردشِ لیل و نہار

(۵۹)

آزاد ہوں، زردار نہیں ہوں نہ سہی
سرشار ہوں، ہشیار نہیں ہوں نہ سہی
خمخانۂ عشق کا ہوں اک رندِ خراب
دانندۂ اسرار نہیں ہوں نہ سہی

(۶۰)

ہے سنگ کا ڈھیر یا نگینا اچھا
ہے زہر کا خُم کہ مے کا پینا اچھا!
اندوہ کی عمرِ جاودانی سے اثرؔ
دو روز کا ہنس کھیل کے جینا اچھا

---

(۶۱)

فردوسِ بریں ریاضِ عشرت کا غبار
آتشکدۂ غم کا جہنّم ہے شرار
اِک خوابِ پُر آشوب ہے اندوہِ خزاں
اِک رنگِ خیال ہے خمستانِ بہار

(۶۲)

کچھ اوج یہ اوج ہے نہ پستی پستی
یعنی ہے عدم، نہ ہستی، ہستی
خمخانۂ حُسنِ جاوداں ہے دُنیا
اور گرمیٔ زیست کیف و مستی مستی

(۶۳)

پیدا و نہاں ہے میری ہستی
اِک رازِ عیاں ہے میری ہستی
ہیں موت و حیات جزر اور مد
اِک بحرِ رواں ہے میری ہستی

(۶۴)

رو رو کے عبث شکوۂ بیداد نہ کر
اے ننگِ جہاں رُوح کو برباد نہ کر
ہمّت سے ہے رزمگاہِ ہستی میں وقار
کھا زخم پہ زخم اور فریاد نہ کر

(۶۵)

غرقابِ سکوت ہوں کہ تقریر کروں
ممکن نہیں سرتابیٔ تقدیر کروں
تدبیر بھی کرنے پہ ہوں مجبور اثرؔ
تقدیر میں لکھا ہے کہ تدبیر کروں

(۶۶)

ہر چند تنک تاب ہوں تنہا ہوں میں
تاریکیٔ دہر میں اُجالا ہوں میں
پوشیدہ ہے آفتابِ رخشاں جس میں
وُہ صبحِ بہار کا ستارا ہوں میں

---

(۶۷)

پروائے بہار ہے نہ پروائے خزاں
ہر حال میں لب پر ہے تبسّم رقصاں
کیا حضرتِ ساؔحنی کی تعریف لکھوں
ہے پھول سدا بہار دائمِ خنداں

(۶۸)

تدبیرِ خرد کی کامرانی معلوم!
تاثیرِ بکا و نوحہ خوانی معلوم!
ہنگامِ بہار رقصِ مستی ہو اگر
انجامِ بہارِ زندگانی معلوم!

---

(۶۹)

مرنا تو مَیں جانتا ہوں ہوگا ہوگا
"مرجانے پہ" پوچھتا ہوں "میں کیا ہوگا؟"
آکر تو مجھے یہاں سے جانا ہے ضرور
جا کر بھی وہاں سے کیا پھر آنا ہوگا؟

(۷۲)

وُہ ابرِ طلسم کار جھوما
وہ مونسِ میگسار جھوما
برسے گی شراب آسماں سے
وُہ میکدۂ بہار جھوما

(۷۳)

آئی ہے بہار گل بدامن
پھُولوں سے بھرے ہُوئے ہیں گلشن
کیا حسن کی شمعیں جل رہی ہیں!
ہے محفلِ کائنات روشن

(۷۴)

ذرّوں میں ہے آفتاب کا رنگ
قطروں میں دُرِ خوش آب کا رنگ
ہر برگ پہ زرنگاریٔ حسن
ہر پھول پہ ہے شباب کا رنگ

(۷۵)

گلپوش ہے شاخسارِ رنگیں
یا جلوہ فشاں نگارِ رنگیں
ہر چیز ہے غرق رنگ و بو میں
آئی ہے اثر بہارِ رنگیں

(۷۶)

پھولوں کے تبسّمات کا حسن
تاروں کی تجلّیات کا حسن
پیغامِ سرورِ جاوداں ہے
میخانۂ کائنات کا حسن

---

(۷۷)

تنگ آ کر مجازِ ہستی سے
ڈوب جاتے ہیں ہم حقیقت میں
بیخودی کو تلاش کرتے ہیں
نغمہ و بادہ و محبّت میں

(۷۸)

ہر چند ہے شغلِ مے و مینا اچّھا
چھپ چھپ کے ہے پینے سے نہ پینا اچھا
بیباکیٔ رُوح سے ہے ہستی ہستی
مر مر کے تو جینے سے نہ جینا اچھا

(۷۹)

شوقِ چمن و نگار و مینا ہے مجھے
پیتا ہوں کہ چند روز جینا ہے مجھے
کیوں بادۂ ناب سے نہ سرمست ہوں آج
کل زہرِ فنا کا جام پینا ہے مجھے

(۸۰)

مطرب ہے، جوئبار ہے، ہنگامِ شام ہے
رنگینیٔ شفق سے ہے بُتِ لالہ فام ہے
منظر نہیں یہ منظرِ خلدِ بریں سے کم
کیا اب بھی اے خدا مجھے پینا حرام ہے!

(۸۱)

ہے رونقِ مے خانۂ ہستی اچھی
ہے شام و سحر کی مے پرستی اچھی
لیکن ہے عجیب شے جوانی کی شراب
ہے دونوں جہاں سے اِکی مستی اچھی

(۸۲)

انجامِ تمنّا پہ ملامت نہ کریں
بیکار مجھے وقفِ ندامت نہ کریں
جو کچھ بھی ہُوا آخر بہت خوب ہُوا
تقدیر کی احباب شکایت نہ کریں

(۸۳)

اِک نقطۂ موہوم ہے ہستی میری
لیکن ہے عجیب چیز مستی میری
چھوڑا جو خدا تو خود پرستی ہے اثر
جاتی ہے کہیں یہ بُت پرستی میری

(۸۴)

بے مہریٔ آسماں سہے جاتا ہوں
دُنیا کو طرب زار کیے جاتا ہوں
جلووں کا ہجوم ہے کہ طوفانِ جمال
مَیں ہوں کہ سرور میں بہے جاتا ہوں

---

(۸۵)

جب بُوئے نشاط سے مہک جاتا ہوں
آجاتا ہے جو زباں پہ بک جاتا ہوں
ہر چند ہوں دورِ مے میں با ہوش اثرؔ
میخانۂ حسن میں بہک جاتا ہوں

(۸۶)

صہبائے نشاطِ روح معدوم نہیں
آگاہِ حیات ہیں جو مغموم نہیں
انجام کی فکر کیوں ہے ناداں تجھ کو!
معلوم نہیں کسی کو معلوم نہیں!!

(۸۷)

تقوی سے بلند بادہ نوشی تیری
راحت سے لذیذ سخت کوشی تیری
آرائشِ ہر عمل تری خودداری
غارتگرِ زیست خود فروشی تیری

(۸۸)

ہے بزمِ حیات کی نہ پروا مجھ کو
ہے ظلمتِ موت کا نہ کھٹکا مجھ کو
ہر شام ہے خوابِ مرگ طاری مجھ پر
ہر صبح ہے اک حیاتِ تازہ مجھ کو

(۸۹)

ہنگامۂ عیش و بُت پرستی ہیں نہیں
رندی و سیہ کاری و مستی ہیں نہیں
معلوم نہیں ہمیں کہاں ہے؟ کیا ہے؟
وجدانِ سرورِ بزمِ ہستی ہیں نہیں

(۹۰)

کیا رنگِ بہار تیری تدبیر سے ہے!
کیا بادِ سموم تیری تقصیر سے ہے!
اندیشۂ انجام میں کیوں گھلتا ہے؟
تقدیر سے ہے تمام تقدیر سے ہے

---

(۹۱)

ممتاز ہے شانِ ارجمندی میری
ہے روکشِ عرش سربلندی میری
سجدہ بھی کیا تو تیرے در پر یارب!
نازاں ہے بہت نیازمندی میری

(۹۲)

ہے جستجوئے رموزِ ہستی اچھی
اچھی ہے تری خرد پرستی اچھی
سر جس سے وبالِ دوش ہو جائے مگر
اس ہوش سے بیخودی و مستی اچھی

(۹۳)

گلہائے سحر کے جام رنگیں رنگیں
تاروں کی ضیا سے شام رنگیں رنگیں
کاشانۂ روح حسن سے ہے روشن
ہے بزمِ جہاں تمام رنگیں رنگیں

(۹۴)

سرشارِ طرب نہیں ہے محسود مِرا
تختِ جم و کَے نہیں ہے مقصود مِرا
وُہ دِل کہ گزار دے خوشی سے غم کو
معبود مِرا، وہی ہے معبود مِرا

(۹۵)

تختِ جم و کَے سے بے نیازی اچھی
گنجینۂ زر سے پاکبازی اچھی
ہنگامۂ بزم و سازِ عشرت سے اثرؔ
ہنگامِ سحر کی نَے نوازی اچھی

(۹۶)

ہے سازِ طرب کی نغمہ باری اچھی
ہے بزمِ بتاں کی زرنگاری اچھی
محفل کی مسرّتوں سے لیکن اے دِل!
ہنگامِ سحر کی اشکباری اچھّی

(۹۷)

ہر چند نہیں ہے جلوہ پیدا تیرا
ڈھانپا ہُوا عقل نے ہے چہرا تیرا
محسوس یہ ہو رہا ہے لیکن یا رب!
دُنیا تیری ہے مَیں بھی تیرا تیرا

(۹۸)

راحت نہ عنقا بلند ایوانوں میں
خوشیاں پیدا شکستہ کاشانوں میں
وہ کیف و سرور دورِ ساغر میں کہاں؟
جو وجد کناں ہے تیرے مستانوں میں

(۹۹)

چھایا ہوا حسن سُو بسو ہے
ہر پھول میں تیرا رنگ و بُو ہے
ہر نقش نگاہِ آشنا میں
تیری تصویر ہو بہو ہے

(۱۰۰)

ساغر مئے عیش سے کبھی بھرتا ہوں
انجامِ بہار سے کبھی ڈرتا ہوں
تقدیر ہی یوں تو کار فرما ہے مگر
محسوس یہ ہوتا ہے کہ مَیں کرتا ہوں

---

(۱۰۱)

جو چاہے وُہی ہر ایک انساں ہو جائے
ظلمات ہو یا چشمۂ حیواں ہو جائے
اُلفت ہے اگر خاک سے ہو جائے خاک
یزداں سے اگر عشق ہے یزداں ہو جائے

(۱۰۲)

تھی کیف و سرور زندگانی میری
فانی تھی مگر وہ شادمانی میری
اندوہِ حیات سے پریشاں ہوں میں
بھولا ہوا خواب ہے جوانی میری

(۱۰۳)

ہنگامۂ رزم، زندگانی ہے مجھے
پیکارِ حیات، شادمانی ہے مجھے
وہ ذوقِ ستیز ہے کہ ہر ایک شکست
دیباچۂ فتح و کامرانی ہے مجھے

(۱۰۴)

محرومِ بقا حبابِ شہرت کے مزے
آلودۂ غم سرابِ دولت کے مزے
ہر چند محبت بھی ہے فانی لیکن
فردوس نژاد ہیں محبت کے مزے

(۱۰۵)

آغاز نشاط کا پریشانی ہے
انجام نشاط کا پشیمانی ہے
جب شادی و غم ہی سے ہے تعمیرِ حیات
پھر غم سے ہراس کیا ہی نادانی ہے!

(۱۰۶)

آلودۂ غم نشاط ہائے دوراں
سوہانِ حیات ہیں سنبھالے جہاں
ہے تحفۂ فردوس محبّت لیکن
ہے اس کی شکست میں بھی لذّت پنہاں

(۱۰۷)

آئی ہے بہارِ عیش ساماں آئی
میخانہ بدوش و گُل بداماں آئی
اک کیفِ نشاط ہے جہاں پر طاری
ساغر کش و بربط زن و رقصاں آئی

(۱۰۸)

سرمستِ سرور ہے ہوائے گلشن
فردوسِ نگاہ ہے ادائے گلشن
ہر شاخ ہے دستِ ناز، ہر پھول ہے جام
معمورِ نشاط ہے فضائے گلشن

---

(۱۰۹)

پیغامِ طرب ہر ایک منظر ہے مجھے
ہر نقشِ جمیل ایک ساغر ہے مجھے
ہے حسن کی مورت اور پجاری ہوں میں
پہنائے جہاں حسن کا مندر ہے مجھے

(۱۱۰)

ہے بزمِ جمال اور حیرت میری
حیرت ہی مگر ہے مجھ کو جنّت میری
معلوم کہاں اس کی حقیقت ہوگی!
پوشیدہ ہے جب مجھ سے حقیقت میری

---

(۱۱۱)

صہبائے سکونِ روح ہے تاروں میں
ساغر مئے حسن کے ہیں گلزاروں میں
ہے جام و سبو میں اس کی بے سود تلاش
ہے کیف انہیں حسین نظّاروں میں

(۱۱۲)

مجبورِ فنا نہیں حقیقت میری
کچھ تجھ سے جدا نہیں حکایت میری
رازِ عدم و وجود کیا ہے یا رب!
موجِ یمِ بیکراں ہے حیرت میری!!

(۱۱۳)

ہے دیر و حرم میں اور نہ میخانوں میں
مفقود ہے یہ بلند کاشانوں میں
ہر چند کہیں نہیں ہے تسکیں یا رب!
کچھ اس کی جھلک ہے تیرے مستانوں میں

(۱۱۴)

جب وادیٔ کہکشاں میں کھو جاتا ہوں
دُنیائے طرب میں جذب ہو جاتا ہوں
کُھلتا نہیں کچھ بھی راز جب سوچ کے بعد
تھک جاتا ہوں اور تھک کے سو جاتا ہوں

(۱۱۵)

تقدیر سے درسِ خامشی لیتا ہوں
ہو جاتا ہوں چُپ، لبوں کو سی لیتا ہوں
زہرِ غمِ زندگی ہو یا جامِ نشاط!
جو کچھ بھی ملے خوشی سے پی لیتا ہوں

(۱۱۶)

سمجھے تھے خوشی کا جامِ جم کو
لیکن نہ ملی خوشی یہاں بھی ہم کو
دیکھا تو فروزاں تھی جبینِ غم میں
گو جستجوئے خوشی میں پایا غم کو

---

(۱۱۷)

صہبائے حیات کا بھی مینا ہوگا
زہرِ غمِ زندگی بھی پینا ہوگا
غم سے بھی نشاطِ روح حاصل ہو جسے
جینا تو اثرؔ اسی کا جینا ہوگا

(۱۱۸)

زندہ تو بہت ہیں، سوزِ ہستی ہی نہیں
میکش تو بہت ہیں، جوشِ مستی ہی نہیں
ہے دامِ خرد بہت ہی رنگیں، لیکن
حق بیں تو بہت ہیں، حق پرستی ہی نہیں

---

(۱۱۹)

بیگانۂ عقل و ہوش ہو جاتا ہوں
طوفانِ یمِ خروش ہو جاتا ہوں
تقدیر کو کوستا ہوں ہنگامِ شکست
جب سوچتا ہوں خموش ہو جاتا ہوں

(۱۲۰)

خنجر میرا، زباں درازی میری
گنجینہ مرا ہے پاکبازی میری
ہر چند گدائے بینوا ہوں، لیکن
ہے مایۂ ناز بے نیازی میری

(۱۲۱)

صہبائے الست کی ہے مستی میری
خمخانۂ جاوداں ہے ہستی میری
مجھ کو بھی دکھا رہے ہیں اب دار و رسن
ہے میرا بھی جرم حق پرستی میری

۱۲۲

نیرنگِ طلسمِ زندگی کو پایا
آلودۂ غم ہر اِک خوشی کو پایا
تسکیں ہے اگر تو ذکرِ یزداں میں اثر
سرچشمۂ بیخودی اسی کو پایا

(۱۲۳)

میکش باقی، نہ بزمِ ساقی باقی!
ہے داغِ شبابِ اتفاقی باقی
فانی ہیں نشاط ہائے دوراں یارب!
مستی ترے عشق کی ہے باقی باقی!

(۱۲۴)

سرشاریٔ ساغرِ جوانی کیا ہے!
اندوہ و غمِ حیاتِ فانی کیا ہے!
برپا ہے یمِ فنا میں طوفاں یا رب!
کیا ہے یہ شرارِ زندگانی کیا ہے!

---

(۱۲۵)

صہبائے نشاط بھی ہے بزمِ جم بھی
زہرابِ الم بھی ہے صفِ ماتم بھی
کچھ اُس کا خیال ہے نہ اِس کی پروا
مجبورِ فنا ہے جب خوشی بھی غم بھی

(۱۲۶)

خُو درد کی خوب ہے جو درماں نہ ملے
کیا چارہ اگر خوشی کا ساماں نہ ملے؟
ہر چند بتانِ دہر فانی ہیں اثر
کیا کیجئے؟ جب کہیں بھی یزداں نہ ملے

(۱۲۷)

بیگانۂ ہوش ہوں کہ ہشیار ہوں مَیں
ہوں عالمِ خواب میں کہ بیدار ہوں مَیں
فطرت کی ستم ظریفیاں تو دیکھو
مجبور کو وہم ہے کہ مختار ہوں مَیں

خمستان

(زیرِ ترتیب)

حضرتِ اثر صہبائی کی منتخب غزلیات کا مجموعہ ہے۔ حضرتِ اثرؔ ملک کے اُن چند منتخب شعرا میں سے ہیں، جنہیں صاحبِ طرز کہا جا سکتا ہے۔ آپ کی غزلیات کا مجموعہ مناظرِ فطرت، حقایق و معارف، حُسن و محبّت اور رندی و مستی کا رُوح پرور، بصیرت افروز اور کیف انگیز مرقع ہے۔

ملنے کا پتہ:-

دار التالیف، بیڈن روڈ۔ لاہور